حفیظ جالندھری بحیثیت گیت نگار

محمد صہیب
Muhammad Suhaib
M.Phil Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstracts:

Muhammad Hafeez Jalindhri is renowed by "National anthem of Paskitan" and "Shah Nama Islam". He belongs to romantic literary school of thought. He introduced imagination in Urdu litererary songs (Geets). He made the attractive images of Nature. Their infrigurative language is consist of Arabic and Persion languages. Music, rethem and melody are the characteristics of his peotry. His composed songs (Geets) are the blend of Hindi matras and Arabic Persion bahors:

حفیظ جالندھری کا شمار اردو ادب کی نامور شخصیات میں ہوتا ہے۔ جن کی شاعرانہ حیثیت محکم و مسلّم ہے۔ 14 جنوری 1900 میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے شاعری شروع کر دی، گھر سے ہی علمی و ادبی ماحول میسر آیا۔ 7 سال کی صغر سنی میں شعر کہنے لگے، رسمی تعلیم سے ساتویں جماعت سے فرار اختیار کر لیا۔ شاعرانہ ذوق طبع موزوں، کثرت مطالعہ سے خاطر خواہ ادبی ذخیرہ قائم کیا۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی کی خاک چھانی اور فرائض سرانجام دیئے۔ تخلیق کے میدان میں اصناف ادب کے معاملے میں ایک کثیر الجہت شخصیت واقع ہوئے۔ پروفیسر محمد منور کے الفاظ ہیں۔

> ''حفیظ صاحب کے کئی روپ ہیں اور انہیں ہر روپ کی وجہ سے الگ الگ لقب بھی حاصل ہے مثلاً: شاعر اسلام حفیظ، شاعر نعت حفیظ، شاعر کشمیر حفیظ، شاعر فطرت حفیظ، شاعر غزل حفیظ، شاعر شباب، حفیظ، شاعر افواج حفیظ، گیتوں کا حفیظ، بچوں کا حفیظ، کھیتوں کا حفیظ، یہ حفیظ وہ حفیظ، شاعر کیا ہیں اچھے بھلے عذاب الٰہی

ہیں۔''(۱)

حفیظ جالندھری نے جس دور میں آنکھ کھولی اردو ادب کے تابندہ ستارے پورے شباب کے ساتھ جگمگا رہے تھے اقبال، حالی، مولانا گرامی، سر عبدالقادر، داغ دہلوی جیسی مقتدر معتبر ہستیاں موجود تھیں، جوش، پطرس، خواجہ حسن نظامی، مہاراجہ کرشن پرشاد، محمد دین تاثیر جیسے ماہرِ فن وادب کی معاصرت میسر آئی، مختلف جرائد اور رسائل اعجاز، ادب لطیف، مخزن، پھول، تہذیب نسواں، زمیندار، ہزار داستان، اور شباب اردو اور حمایت اسلام کے ایڈیٹر رہے ۱۹۵۸ئ میں حفیظ پاکستانی وفد کے سربراہ کی حیثیت سے آفریشیائی رائٹرز کانفرنس میں شریک ہوئے، اسی دوران باکو طفلس، ماسکو، لینن گراد اور سائبریا کی سیاحت بھی کی۔

۱۹۳۸ئ میں سر عبدالقادر کے ہمراہ ہندوستان گئے جہاں برنارڈ شاہ سے بھی ملاقات کی جس نے انگریزوں کو مغرب میں دیکھنے کا مشورہ دیا۔ اور حفیظ کے شاعرانہ تخیل اور تخلیق کی داد دی، حفیظ جالندھری کچھ یادیں کچھ باتیں میں قاسم جلال کو دیئے گئے انٹرویو میں بتاتے ہیں:

> ''سر عبدالقادر نے میری نظموں کا ترجمہ اس کے سامنے رکھا تو وہ حیران ہوا کیا انڈیا میں بھی کوئی اس قسم کا شاعر ہو سکتا ہے۔ یہ نوجوان سا ہے یہ خیالات کہاں سے آئے ہیں؟ جارج برناڈ شاہ نے پوچھا مجھ سے کیوں ملنے آئے، میں نے کہا کہ آپ کی تحریروں کے تراجم پڑھتا رہتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ صاف گو آدمی ہیں تو چونکہ میں بھی صاف گو ہوں اس لئے آپ سے ملنے آیا ہوں کہ جو ہمارے ملک پر قابض ہیں کیسی قوم ہے وہ کہنے لگا۔ انگریزوں کو دیکھنے کی خواہش ہے تو انہیں ویسٹ میں دیکھو، گھروں میں دیکھو گے تو معلوم ہوگا۔ کتنے گندے ہیں بڑی نفرت کے ساتھ کہتا۔ ("They are dirty devils")۲

یہ سر عبدالقادر مخزن کے بانی تھے مخزن کا آغاز بھی اپریل ۱۹۰۱ئ میں ہوا جس سال حفیظ نے دنیا میں آنکھ کھولی، مخزن رومانوی تحریک کا نقطہ آغاز بھی ہے۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک کو فروغ دیا اور رومانوی تحریروں کے لئے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت سے سامنے آیا، اسی جریدے کی ادارات حفیظ نے سنبھالی۔ اردو ادب میں ایک صنف گیت کے سامنے آئی گیت، مکمل طور پر رومانوی مزاج کی صنف ہے جو جذبات کا آزادانہ اور بے محابہ اظہار ہے۔

اردو ادب میں گیت کی صنف ہندی زبان کے توسط سے آئی صنف کے ساتھ ہندی الفاظ تراکیب تلمیحات اور موضوعات اور فنی خصوصیات بھی ساتھ آئیں۔ ڈاکٹر سمیرا اعجاز اپنے مقالہ منیر نیازی

شخص اور شاعر میں رقم طراز ہیں:

''اردو گیتوں کی بنیاد ہندی گیتوں پر ہے ، ہندی دیومالا سے ہمارے گیت بھرے پڑے ہیں، شیو باروتی، گنیش، اندر، رادھا اور شیام کے نام بار بار نظر آتے ہیں۔ استفادہ موضوع ، فضا اور لفظیات ہر سطح پر آتا ہے۔''(۳)

گیت ابتداً مذہبی بنیادوں پر دیوی دیوتاؤں سے مناجات کی خاطر لکھے اور گائے جاتے رہے بعد میں ان میں عوامی رنگ سامنے آیا، جیسے حسن و عشق، پیار و محبت، وصال و فراق کو موضوع سخن بنایا گیا ہر صورت میں لب و لہجہ اور جذبات و احساسات کی ترجمانی کو خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ یہی خصوصیات گیت کو دیگر اصناف ادب سے ممیز کرتی ہیں عشرت رومانی اپنی کتاب مقصدی شاعری میں گیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''گیت وہ صنف شعر ہے جس میں جذبات و احساسات اور ہجر و فراق کی کیفیات والہانہ انداز میں بیان کی جاتی ہیں۔ اصطلاحاً یہ وہ صنف شعر ہے جس میں عورت مرد کو مخاطب کرتے اس سے محبت کا اظہار کرتی ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی اس کا اظہار مرد بھی کرتا ہے۔ اُردو گیت کی بنیاد ہندی گیت پر ہے۔'' ہندی گیت نے اُردو کی زبان و بیان پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہندی کے الفاظ، نسائی لب و لہجہ اور نرم و سبک الفاظ گیت کے لیے اہم ہیں۔ اس کی کوئی ہیئت مقرر نہیں۔''(۴)

گیت گانے کی چیز ہے۔ گیت عورت کی طرف سے اظہار محبت کی صنف قرار دی جاتی ہے۔ گیت زیادہ تر عورت کے لب و لہجہ میں لکھے جاتے ہیں۔ عورت زبان و بیاں میں تصنع اور بناوٹ کی قائل نہیں عورت فصاحت و بلاغت پر مرد کی نسبت زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ الفاظ، تراکیب اور علم بیاں پر بھی قدرت رکھتی ہے۔ الفاظ کا برمحل استعمال یا محاوراتی زبان ہر لحاظ سے فصیح و بلیغ واقع ہوتی ہے۔ زبان و بیاں کی بے ساختگی عورت کے گیتوں کی خاص خوبی ہے۔ گیت جذبات کا بے محابہ اظہار ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

''گیت مزاجاً نسوانیت کے غنائی اظہار کی ایک صورت ہے۔''(۵)

اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔

''گیت اس وقت جنم لیتا ہے جب عورت کا دل محبت کے بیج کو قبول کر لیتا ہے۔''(۶)

عورت جسے صنف نازک کہا جاتا ہے جو ہر لحاظ سے نزاکت، نرمی اور نفاست کا مرقع ہے۔ عورت کے ہر عمل میں مرد کو متاثر کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ عورت جذبات و احساسات کا اظہار جب سادہ اور پر تکلف الفاظ میں کرتی ہے۔ جس میں والہانہ پن ہوتا ہے۔ یہ والہانہ پن جب الفاظ کا جامہ پہنتا ہے تو گیت وجود پاتا ہے۔ گیت سے متعلق مختار صدیقی ''تین رنگ'' کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

''گیت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ گیت دنیا میں ہر قسم کی منظومات سے مختلف حسیاتی سرچشموں سے پھوٹتا ہے۔ اس کا سرچشمہ وہ تمام احساسات ہیں جو انسان کو گانا گانے پر اکساتے ہیں۔ روح کی وہ تمام لطافتیں ہیں۔ جو بات کریں تو گنگنا کر، گا کر سروں کی آسمانی نیرنگیوں کی زبان میں کریں۔''(۷)

گیتوں میں گائیکی نے تمام عناصر اور لوازمات باقی شعری اصناف کی نسبت زیادہ موجود ہوتے ہیں۔ جن میں سب سے نمایاں ٹیپ یا استھائی کی تکرار ہوتی ہے۔ جس سے گیت میں وحدت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ٹیپ کی تکرار موسیقت کے ساتھ تاثر کی گہرائی کا پتہ دیتی ہے۔ ایک حد تک نثر بھی آہنگ اور موسیقیت سے خالی نہیں ہوتی مگر نظم میں ٹیپ کی تکرار گیت کی موزونیت کو نثر کی موزونیت سے ممتاز کرتی ہے۔ نظم اور گیت میں ایک فنی عنصر بشرام کا وقفہ ہے۔ یہ وقفہ سر اور آوازوں میں ہلکا سا ٹھہرنے اور وقفہ کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

اُردو گیت نرم و نازک اور سبک صنف کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں جذبات کی ہلکی پھلکی کیفیتیں ہی پیش کی جاتی رہی ہیں مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ گیت کسی عمومی واردات یا کیفیت اور جذبات کو اپنے دامن میں نہیں سمیٹ سکتا۔ جذبے کی گہرائی اور وسعت الگ چیز ہے اور اس کے اظہار میں پیچیدگی پیدا کرنا اور بات ہے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

''گیت کا آہنگ سنگیت کے تابع ہے اس کی داخلی روح نیم افردگی اور نشاط کے امتزاج سے ترکیب پاتی ہے گیت میں غم ہوسکتا ہے جسے درد اشتیاق کہیے مگر اس غم کی لہر نشاط زندگی کے سرچشمے سے ابھرتی ہے گیت اپنی اونچی سطح پر نامعلوم فضاؤں میں پرواز کرنے والی چیز ہے مگر اس کی ایک سطح بھی ہے۔ جو اس کے تاروں کو مقام و محل اور دوسرے زمینی رشتوں سے وابستہ کئے رکھتی ہے۔ گیت حد سے زیادہ غم انگیز اور الم خیز مضمون کا متحمل نہیں ہوسکتا اسی طرح گیت ضرورت سے زیادہ جوش انگیز مضمون اور پرخروش لے کو برداشت نہیں کرسکتا۔ گیت کو دوہے کی طرح درس حکمت بھی نہیں

بن جانا چاہیے اور نہ بھجن کی طرح نغمہ کو الوہیت بن جانے کی اجازت ہے گیت تو فقط بھولپن، معصومیت قبل از عنفوان شباب کے سادہ جذبات یا دردِ اشتیاق کی ان صورتوں کے لیے موزوں ہیں جن میں غم شوق کی دل شکستگی شوق زیست کی خوشی سے شیر و شکر ہو جاتی ہے اور اپنے آخری تاثر میں ایک شیریں خواب کی یاد حسرت آلود کی شکل میں طرہ کر ایک مبہم سی خوشی پیدا کر کے فضاؤں میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ گیت نے الوہی نغمے ان روحانی کیفیتوں کو بھی خوب ادا کرتے ہیں۔ جو بھگتی یا عقیدت کے جذبے کی پیداوار ہیں۔" (۸)

گیت میں موجود غم والم کی کیفیت خوشی اور نشاط سے جڑی ہوئی ہے۔ گیت حد سے زیادہ غم و الم کے جذبات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ انہیں ہر قسم کے کڑپن سے دور رہنا پڑتا ہے۔ گیتوں میں ضرورت سے زیادہ جوش و خروش کا اظہار نہیں ہوتا۔ بے تکلفانہ زبان استعمال کی جاتی ہے۔ اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار نرم اور کومل الفاظ سے کومل سروں میں کیا جاتا ہے تو گیت وجود میں آتا ہے۔

حفیظ جالندھری نے اُردو گیتوں میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ گیت ایک رومانوی صنف سخن ہے۔ حفیظ جالندھری چونکہ ایک رومانوی شاعر کی پہچان رکھتے ہیں۔ رومانوی تحریک کے اثرات سے ان کے گیتوں پر بھی گہرا اثر پڑا۔ اس سے گیت کے موضوعات، اسلوب اور ہیئت میں بھی بڑا فرق آیا۔ کلاسیکی روایت کے بندھن سے آزادی ملی۔ فطرت کا نامیاتی تصور، تخیل پرستی اور علامتی زبان، منظر کشی اور محاکاتی عناصر کو فروغ ملا اور گیتوں کی زینت بنے۔ حفیظ جالندھری کے گیت شاعری کے محاسن تخیل، الفاظ وزن اور اسلوب پر شد و مد کے ساتھ پورا اترتے ہیں۔

حفیظ کے گیتوں میں جمالیاتی عناصر کی بہتات ہے وہ یہ کام بیک وقت منظر کشی صوتی آہنگ وغیرہ سے کرتے ہیں۔ ملک حسن اختر تاریخ ادب اُردو میں رقم طراز ہیں:

"انھوں نے اُردو نظم کو نغماتی لہجہ عطا کیا ہے گیت اور نظم کا اتنا گہرا تعلق ان سے پہلے نظر نہیں آتا۔ ان کی شاعری میں موسیقی کا بے پناہ رس موجود ہے جو دلوں کو گرماتا ہے اور احساس کو تڑپاتا ہے۔ ان کی منظریہ شاعری میں گیتوں کا سا ترنم موجود رہتا ہے جو ہمیں بے حد متاثر کرتا ہے۔" (۹)

مناظر فطرت کی عکاسی کی دوران ان کی جمالیاتی حس پوری طرح بیدار نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں موسیقیت، نغمگی، منظر نگاری، فطرت شناسی، حسن اور خیر کی پرکھ کا اندازہ ہوتا ہے۔ جن سے ان کی گہری نظر کا احساس ہوتا ہے۔ یہی گہرائی ان کی شاعری میں حسن اور خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔

فطری مناظر کی اہم آہنگی کا اظہار صوتی آہنگ سے کرتے ہیں۔ نغمہ زار کے گیت یا گیت نما نظموں میں ان کے جمالیاتی ذوق کی مثالیں موجود ہیں۔ ''سحر'' سے بند ملاحظہ فرمائیں:

نسیم سر سرا گئی چمن میں گل کھلا گئی
کلی کو گدگدا گئی تو پھول کو ہنسا گئی
طرب کے سیل نور سے جہاں کی نیند ڈھل گئی
حیات کے وفور سے خوشی کی آنکھ کھل گئی
گلوں کی نکہتیں اٹھیں ہوا کے دوش پر چلیں
پڑی جو مہر کی نظر تو اوس بن گئی گہر
نسیم سر سرا گئی چمن میں گل کھلا گئی (نغمہ زار، ص:۶۶)

قدرتی ماحول فطری عناصر نہ صرف بصری راستے سے دل میں اتر کر نغمہ کی فضا قائم کرتے ہیں۔ بلکہ سامعہ اور شامہ کے حواس سے بھی قاری کو محظوظ کراتے ہیں۔ لطافت، طرب اور نشاط کو نطق لسان بخشتا ہے جس میں موجود نغمگی اور موسیقیت قارئین اور سامعین کے کانوں میں رس گھولتی ہے۔ پڑھنے والا فرطِ طرب سے جھومنے لگتا ہے۔

''طوفانی کشتی''، ''برسات''، ''کرشن کنھیا''، ''بستی ترانہ''، ''تاروں بھری رات'' اور ''ابھی تو میں جوان ہوں'' میں حسن پروری اور جمالیاتی ذوق کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔

نغمہ زار کا ہر گیت ایک عجیب کشش رکھتا ہے۔ اس میں منظر کشی فطرت ارض وسماوات سے گہری وابستگی کا احساس دلاتی ہے۔ تلمیحات و استعارات کی زبان نہایت عمدگی سے استعمال کی ہے۔ جو گیت میں ثقالت پیدا کرنا تو دور کی بات، روانی کے ساتھ جذبات احساسات کو مزین کر کے پیش کرتی ہے۔ پنڈت ہری چند اختر ''سوز و ساز'' کے دیباچے میں رقم طراز ہیں۔

> ''تقریباً یہی کیفیت حفیظ کے انداز منظر کشی کی ہے وہ بحر اور وزن یا تشبیہ و استعارہ ہی نہیں اپنی نظم کے ایک ایک لفظ سے منظر کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ وہ اپنے پیش نظر منظر کے لیے ہر لحاظ سے مناسب بحور اور مناسب الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس لیے وہ کیفیت دوسرے پر وارد کر دیتا ہے۔ جو اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔''(۱۰)

''تاروں بھری رات'' سے ایک بند حاضر خدمت ہے:

باریک ململ
تاریک آنچل
چہرے پہ ڈالے

گھونگٹ نکالے
شب کی ردا میں
دھندلی ضیا میں
اپنی حیا میں
چپ ہے مگن ہے
گویا دلھن ہے (نغمہ زار، ص: ۱۱۴)

مجموعہ ''سوز وساز'' میں حفیظ نے باقاعدہ گیت لکھے جو ایک گیت کے عنوان کے ساتھ ایک باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دل ہے پرائے بس میں، جاگ سوزِ عشق، سینا، الفت کا اظہار، اندھی جوانی، کاہل کا گیت وغیرہ بہت عمدگی کے ساتھ نظارے کراتے ہیں۔ یہی منظر کشی محاکاتی انداز اختیار کر لیتی ہے۔ حسن کاہل کا گیت یہ انداز نمایاں ہو جاتا ہے:

اب شام ہو چلی ہے اب چھا چلا اندھیرا
دنیا میں آسمان نے صبر و سکوں بکھیرا
اور دامنِ شفق پر
سرخی نے رنگ پھیرا
مستور ہیں ہوا میں اس پرسکوں فضا میں
کچھ میٹھے میٹھے نغمے
کچھ گیت کچھ ترانے (سوز و ساز، ص:۲۹۵)

حفیظ جالندھری کی شاعری میں منظر کشی کے بعد تخیل پرستی کا زیادہ رجحان نظر آتا ہے۔ گیتوں میں تخیل کا اظہار ایک انوکھی اور نرالی چیز سمجھا جاتا ہے۔ حفیظ جالندھری کی اس اختراع نے حفیظ کے گیتوں کی اہمیت مزید بڑھا دی۔ جمالیاتی عناصر کی موجودگی تخیل سے دور نہیں رکھ سکتی جمالیاتی عناصر اور تخیل ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم گردانے جا سکتے ہیں۔ حفیظ اپنے گیتوں میں جذبات کے اظہار میں فطرت اور جمالیات سے اتنا متاثر ہو جاتے ہیں۔ جس میں اظہار تخیل کی آمیزش فطری سا عمل لگتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد خاں اشرف، ''اردو تنقید کا رومانوی دبستان' میں بیان کرتے ہیں:

> ''اگرچہ اقبال سمیت تمام رومانویت نگاروں نے مناظر فطرت کو اپنا موضوع بنایا ہے لیکن جس وارفتگی اور والہانہ پن سے حفیظ نے مناظر فطرت کی تصویر کشی کی ہے۔ وہ بے مثال ہے ان کی نظموں میں فطرت کی تصویر کشی اپنے پورے حسی جمال رنگ و بو اور نکہت و نور کے ساتھ موجود ہے جس کو حفیظ کی غنائیت اور تخیل

آمیزی نے دوآتشہ بنادیا ہے۔'' (۱۱)

''نغمہ زار'' میں شامل ''تاروں بھری رات'' کا دلکش اور دلفریب منظر تخیل کو ہیجان بخشتا ہے۔ دنیا کی حسن کاری کا بیان مرغ تخیل کو اڑان بخشتا ہے۔ بند ملاحظہ فرمائیں:

دنیائے انساں
شہرِ خموشاں
دیکھے بھلا کون
رنگ گلستان
ہنستے ہیں غنچے
کھلتی ہیں کلیاں
ہر شاخ رقصاں
ہر پھول خنداں
سبزے میں ساری
اک روح جاری
پتوں پہ طاری
اک کیف لرزاں

ہر برگ گل پر موتی جڑے ہیں
موتی بھی موتی بکھرے پڑے ہیں
قدرت کی ہر شے
گویا دلھن ہے (نغمہ زار،ص:۱۱۲)

ڈاکٹر نگہت ناہید ظفر لکھتی ہیں:

''رومانوی شعرا کے بارے میں یہ بات صادق نظر آتی ہے کہ وہ دنیا میں واقعی رنگ دیکھنے کے لیے آئے تھے اور ان کے تخیل نے نہ صرف قوس قزح کے رنگ خود دیکھے بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے اوروں کو بھی دکھائے۔'' (۱۲)

مجموعی کلام سوز وساز میں موجود گیت دل ہے پرائے بس میں بھی منظر کشی کے ساتھ تخیلاتی اظہار اپنایا گیت جو اس میں زیادہ خوبصورتی پیدا کر دیتا ہے۔

پرائے بس میں دل پرائے بس میں
باغ میں بلبل بول رہی ہے نرگس آنکھیں کھول رہی ہے

شبنم موتی رول رہی ہے

آم یہ کوئل کوک اٹھی ہے   سینے میں اک ہوک اُٹھی ہے

بن جاؤ نہ کہیں سودائی   جونوروں کی رام دہائی (سوزوساز، ص:۲۷۵)

''اسی طرح تلخابہ شیریں''اور چراغ سحر تخیلاتی اظہار سے خالی نہیں ان میں بھی تخیل کے عنا صر پوری طرح اپنا وجود تسلیم کراتے ہیں۔

حفیظ جالندھری کے گیتوں کا ایک اور وصف تہذیب وروایت کی آئینہ داری ہے۔گیت میں موجود والہانہ پن تہذیب وتمدن کا عکاس بن جاتا ہے۔وہی فضاوہی الفاظ ومحاورات، وہی تشبیہات اور استعارات بیان کیے جاتے ہیں اسی ماحول اور زبان کا لب ولہجہ گیتوں میں عود کرآتا ہے۔حفیظ کا تعلق اسلامی معاشرہ سے ہے یہی وجہ ہے ان کلام اسلامی تہذیب وروایات کا عکاس ہے۔

حفیظ جالندھری کے پہلے مجوعہ کلام ''نغمہ زار'' میں ''سحر'' میں موجود وہدایت کی عکاسی کے ساتھ اسلامی طرز زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔

عبادتوں کے در کھلے   سعادتوں کے گھر کھلے

در قبول وا ہوا

دعا کا وقت آگیا

اذان کی صدا اٹھی   جگا دیا نماز کو

چلی ہے اُٹھ کے بندگی   لیے ہوئے نماز کو

صنم کدہ بھی کھل گیا

اٹھا ہے شور سنکھ کا (نغمہ زار ، ص۶۴)

حفیظ مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی بھی ہیں۔علاقائی تہذیب وتمدن، طرز زندگی، معاملات زندگی تصورات اورروایات سے بھی آگاہ ہیں۔انہی سے اپنے گیتوں کا میں حسن پیدا کردیتے ہیں۔علاقائی اورروایتی موضوعات میں بسنتی ترانہ، پریت کا گیت اور جاگ سوز عشق جاگ میں بیان کی گئی تراکیب تلمیحات علاقائی روایات سے وابستہ ہیں۔

کہیں(Lucy Grey) کی طرح دیہاتی معمولات زندگی کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔دیہا تی ماحول کی سادہ، پرکیف، صحت آفریں فضا میں کسانوں کی سحرخیزی، فصلوں کی طرف کوچ، جانوروں کی خدمت کاری، زمینوں کی نبض شناسی، مستی میں جھومنا گنگناتا، جانوروں کی گھنٹوں کی آواز میں تانیں اڑاتا ہے یہ حفیظ کے دیہاتی زندگی نے مشاہدات کو بیان کرتا ہے۔

کسان اٹھ کھڑے ہو   مویشوں کو لے چلے

ئے

کہیں مزے میں آ گئے　　تو کوئی تان اڑا گئے
یہ فرش سبز گھاس کا　　یہ دل فریب آسماں
بسے ہوئے ہیں پریت
میں
ہیں محو ان کے گیت میں
کہاں ہیں شہر کے مکیں　　وہ بے نصیب اٹھے ہیں
کسان اٹھ کھڑے
ہوئے
مویشیوں کو لے چلے

اس طرح کے موضوعات حفیظ جالندھری کی شاعری میں انگریزی رومانوی ادب کے اثرات کا پتہ دیتے ہیں۔ جو خالصتاً انگریزی رومانوی موضوعات ہیں۔ اسی طرح ولیم بلیک کی Morningاور Night سے ماخوذ اُردو میں صبح اور شام جیسی نظمیں تخلیق کیں۔ سوز وساز میں ''رقاصہ'' نے عنوان سے گیت میں تہذیب وروایت بیان کی ہے۔ رقاصہ کا رقص بھی بیان کیا اس کے متعلقات کا ذکر کرتے ہیں مقابلے میں پاکباز، عفت مآب، باحیا اور باکردار صنف نازک کی نزاکت پیش کی جو مجسم نزاکت ہے چاہے وہ کردار کے لحاظ سے ہو یا قسم وجاں کے لحاظ سے علاوہ ازیں نہ صرف رقاصہ کو مطعون کیا مرد کی مردانگی اور عزت کو بھی جھنجھوڑا اسلامی تہذیب وتمدن کی پروردہ نسل کی عورتوں کے طور طریقے بیان کرتے ہیں۔

شرم اور عزت والیاں
ہوتی ہیں عزت والیاں
وہ حسن کی شہزادیاں　　پردے کی ہیں آبادیاں
چشم وفلک نے آج تک　　دیکھی نہیں وہ جھلک
سرمایہ شرم و حیاء　　زیور ہے ان کے حسن کا
شوہر کے دکھ سہتی ہیں وہ　　منہ سے نہیں کچھ کہتی ہیں وہ
کب سامنے آتی ہیں وہ　　غیرت سے کٹ جاتی ہیں وہ
اعزاز ملت ان سے ہے　　نام شرافت ان سے ہے
ایمان پر قائم ہیں وہ　　پاکیزہ و صائم ہیں وہ
تجھ میں نہیں شرم وحیاء
تجھ میں نہیں مہرووفا

حفیظ جالندھری کے گیتوں میں حسن وعشق کا موضوع پوری شد مد کے ساتھ بیاں ہوا ہے نظارہ ہائے دلنشین حفیظ کے لئے حیات آفریں ثابت ہوتے ہیں حسن آفریں مناظر ان میں فریفتگی کی لوکو بڑھا دیتے ہیں۔ یہ محبت الفت اور والہانہ پن شاعر میں عشق کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں حسن نے معیار کے مطابق کومل گداز اور پر کیف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

یہ سرد شبنمی ہوا یہ صحت آفریں سماں
یہ فرش سبز گھاس کا یہ دلفریب آسماں
بسے ہوئے ہیں پریت میں
ہیں محوان کے گیت میں

جس میں محبت سے لبریز جذبات کا اظہار ہے ان کے وطنی گیت اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے سے اندازہ ہوتا ہے حفیظ کے وطن کا حسن صباحت، وملاحت کا امتزاج رکھتا ہے جو ایک نظر اکتاہٹ نہیں آنے دیتا۔

اس حسن میں ہے ہلکا نمک بھی
مے کا نشہ بھی لطف گزک بھی
رنگین کلیاں جن میں مہک بھی
دل میں وفا بھی درد اور تپک بھی
روئے ز میں بھی
چشم فلک بھی (تلخابہ شیریں، ص:)۴۹۷

حفیظ جالندھری نے اپنے گیتوں کو موضوعاتی بانکپن عطا کرنے کے ساتھ فنی مہارت سے ذاتی اسلوب بھی تشکیل دیا حفیظ کے گیتوں میں جہاں موضوعات کے لحاظ سے رومانوی تحریک کا اثر سامنے آتا ہے وہیں فنی اور اسلوب بھی اس کے اثرات سے خالی نہیں رہا جس کے زیر اثر گیتوں کی نئ ہیئتیں وضع کیں بحور اور ماتروں کے نظام امتزاج پیدا کیا اشتہارات وتشبیہات کے استعمال میں روایت پرستی سے احتراز برتا فنی بالیدگی کے ساتھ عربی فارسی الفاظ وتراکیب استعمال کیں کہ گیتوں کے لوچ اور شدھتا میں فرق نہیں پڑتا یہ سب حفیظ جالندھری کی مشاقی، مہارت تامہ اور قادر الکلامی کا ثبوت ہیں۔

علم بیان کے بغیر شاعری محض قافیہ بندی کا نام رہ جاتا ہے علم بیان میں تشبیہات مقام رکھتی ہیں ان تشبیہات کو اول درجہ حاصل ہے حفیظ کے گیت بھی باقی اصناف سخن کی طرح تشبیہات سے مزین ہیں علم نے فن کے نزدیک گیتوں کی زبان استعاراتی ہوتی ہے تشبیہاتی نہیں جبکہ نغمہ زار کے گیت سحر میں متعدد تشبیہات استعمال کی گئ ہیں صبح کی نور کی خاموش آمد کاروان بے نوا کی طرح ہے سورج کی کرنوں کا افق سے چھنچھناتے ہوئے جلوہ فگن ہونا بھی شاعر کو کرنوں کے خندہ زن ہونے کا احساس دیتا ہے بند کا

کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

وہ برق سی چمک اٹھی سحاب کے غبار سے
وہ آگ سے بھڑک اٹھی افق کے لالہ زار سے
وہ زرہ زرہ خاک کا
نظر فروز ہو گیا (نغمہ زار، ص:۶۵)

تلخابہ شیریں میں گیت "تیری منزل دور مسافر" میں تشبیہات کا استعمال کرتے ہیں اس کے علاوہ نغمہ زار اور سوز و ساز میں بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو گیتوں میں تشبیہات کے استعمال کی عمدہ مثالیں ہیں:

تیری منزل دور مسافر
تیری منزل دور
شمع مثال پگھلتے جانا
پروانہ ساں جلتے جانا
جلنا اور پگھلنا، لیکن
چلنا چلنا چلتے جانا
کس کا ہے مقدر
مسافر
تیری منزل دور (تلخابہ شیریں، ص:۴۸۰)

حفیظ کے علاوہ وہ بھی مختلف گیت نگاروں کے کلام میں گیتوں کی مثالیں موجود ہیں جن میں تشبیہات برتی گئی ہوں ڈاکٹر وزیر آغا، عظمت اللہ خان کے گیتوں پر رائے دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بادل کی کڑک اور گرج میں جنسی جذبے کی کڑک اور گرج صاف سنائی دیتی ہے پھر عورت کے سراپا کو بیان کرتے ہوئے بھی اس کے کسی عمومی ہستی کی بجائے ایک خاص گوشت پوست کی عورت ہی کو ابھارا ہے اسلوب میں بھی نیا آہنگ ہے اور تشبیہوں، استعاروں کے استعمال میں تازگی کا احساس ہوتا ہے۔''(۱۳)

اظہار محبت صرف اشارات و کنایات سے ممکن نہیں بلکہ اس میں پختگی لانے کے لئے استعارات کی صنعت زیادہ برتی جاتی ہے برسات کا ایک بند دیکھیں:

آموں کے نیچے

ڈالے ہیں جھولے
مہ پیکروں نے
سیمیں تنوں نے
برق افگنوں نے
گیت ان کے پیارے
میٹھے رسیلے
ہلکی صدائیں
سادہ ادائیں
گل پیرہن ہیں
غنچہ دہن ہیں
خود مسکرانا
خود منہ چڑانا
پھر جھینپ جانا
الہڑ پنے سے
آموں کے نیچے
ڈالے ہیں جھولے (نغمہ زار، ص:۸۶)

حفیظ مسلمان ہونے کی حیثیت سے عربی فارسی ادب سے بہت قریب رہے جس کے اثرات ان کی شاعری حتیٰ کہ گیتوں پر بھی پڑے انہوں نے عربی فارسی تراکیب کو اردو گیتوں میں ایسے انداز سے پیش کیا کہ گیتوں کی ساکھ اور کوملتا پر کوئی آنچ نہیں آنے دی اس سے پہلے گیتوں میں مذہبی روایتی الفاظ سے گیتوں کو لوچ اور شدھتا قائم کی جاتی تھی حفیظ کی عربی فارسی اسی الفاظ میں مہارت کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا اردو شاعری کا مزاج میں رقم طراز ہیں:

''یہ روش بڑی احتیاط کی طالب تھی کیوں کہ ہندی کومل الفاظ کی بجائے فارسی آمیز اردو تراکیب کو رواج دینے سے گیت کی مخصوص نسوانیت، لوچ اور سندرتا کے مجروح ہو جانے کا خطرہ تھا یہ بات اختر شیرانی اور حفیظ جالندھری کے حق میں یقیناً کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اس تبدیلی کو بروئے کار لانے میں فنی بالیدگی کا ثبوت دیا اور فارسی الفاظ کی آمیزش کے باوصف اس نرم و گداز ہندوستانی فضا کو قائم رکھا جو گیت کی بقا کے لئے بے حد ضروری تھی۔'' (۱۴)

گیتوں میں موجود عربی فارسی الفاظ و تراکیب ملاحظہ فرمائیں۔صدائے پا، جرس درائی، حسینۂ نمود، فسوں گرشہود، شرارزادگان شب، بروئے آسماں شب، صحت آفریں سماں، حجلۂ سحر، خندہ زن، تاج زر، عطر بیز، نغمہ ریز گل بدن جیسی تراکیب گیتوں کا حسن ہیں۔

جمالیاتی اصطلاح محاکات بھی حفیظ کے گیتوں میں حسن کاری پیدا کرتی ہے، مناظر اشیاء اور احساسات کیفیات کا لفظی اظہار جو لفظی تصویر کشی کی صورت پیدا کردے محاکات کہلاتے ہیں حفیظ کے گیتوں میں اس کا نہایت مہارت کے ساتھ استعمال موجود ہے، سحر، ابھی تو میں جوان ہوں، برسات کر شن کنھیا، بسنتی ترانہ، تاروں بھری رات، فرشتہ کا گیت (سپنا)، حسن اور موت کا ہل کا گیت، تیری منزل دور مسافر، اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے وغیرہ محاکاتی لب ولہجہ کے نمونے پیش کرتے ہیں کا ہل کا گیت سے بند پڑھیے:

کھیتوں میں جانے والے ہمت دکھانے والے
لوٹے ہیں کام کرنے دامن خوشی سے بھر کے
خوشیاں منارہے ہیں اور گیت گا رہے ہیں
خوش ہو کے اس طرح سے گاتی نہیں کبھی میں
اس خوش نما خوشی کو پاتی نہیں کبھی میں

حفیظ نے گیتوں میں منظر کشی کی اعلیٰ ترین نمونے پیش کرتے ہیں ان سے متعلق ڈاکٹر محمد دین تاثیر، نغمہ زار کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں۔

''منظر کشی مصوری میں ہو یا شاعری میں شباب کا آزاد مشغلہ ہے اور خالص مسرت کا نمونہ اردو شاعری کے اس نئے دور میں ہر شعبہ بہت سے یورپ زدہ شعراء کا تختہ مشق بنا رہا ہے مگر تکلف اور جبر منظر کشی میں بالخصوص سخت نازیبا ہیں اس میدان میں بھی حفیظ جملہ معاصرین سے آگے نکل گیا ہے۔''(۱۵)

حفیظ جالندھری نے گیتوں میں گیتوں کی روایت سے بھی مفر اختیار نہیں کیا گیتوں میں ہندی الفاظ تلمیحات کے نمونے کئی گیتوں سے ملتے ہیں چند گیت جو ہندی رنگ زیادہ رکھتے ہیں ان میں کرشن کنھیا، بسنتی ترانہ، جاگ سوز عشق کرشن بنسری، دل ہے پرائے بس میں، پرانی بسنت، پریت کا گیت، سپنا، اندھی جوانی، منجدھار، درشن درشن وغیرہ شامل ہیں ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

کنار گنگ برہمن جوان و پیر مرد و زن
چڑھا کے دیوتا کو جل
وہ جھک رہے ہیں سر کے بل

وہ اک حسین گھاٹ پر نہار ہے ہیں گل بدن
بروئے آب سر بسر کھلا ہوا ہے اک چمن
وہ اک مہا تپسوی
بڑا جتی ستی
ہے اور ہی جہان میں لگا ہے گیان دھیان میں
کنار گنگ برہمن جوان و پیر مرد و زن
(نغمہ زار، ص:۱۶۷)

موسیقیت اور ترنم حفیظ کے گیتوں کا خاصہ ہے ان کے اکثر و بیشتر گیت با قاعدہ دھنوں پر لکھے گئے ہیں اس کے علاوہ حفیظ جالندھری نے گیتوں کی بنیاد ماتروں اور دھنوں کو بخوبی برتا ہے جس میں عربی فارسی بحور کا بھی امتزاج قائم کر کے گیتوں کو تنوع بخشا اس کے حسن میں ایک الگ نمونہ پیش کیا کہ ہندی مزاج گیت اور عربی فارسی ثقالت کے حامل الفاظ کو نہایت مہارت کے ساتھ استعمال کیا اس لئے ڈاکٹر وزیر آغا نے اسے فنی بالیدگی سے یاد کیا ہے حفیظ نے انترا استھائی وقفہ و بشرام کا بھی ہر ممکن لحاظ رکھا ٹیپ کی تکرار اور تکرار لفظی ان کے گیتوں میں ترنم اور نغمگی پیدا کرتے ہیں جس سے گیت گانے کی چیز بن کر سامنے آتا ہے منفرد موضوعات کی موجودگی میں حفیظ نے اپنے گیتوں میں فنی اور اسلوبیاتی اعتبار سے ہمیشہ گیتوں کی روح کا لحاظ رکھا اسے کبھی فنا نہیں ہونے دیا۔

حوالہ جات

۱۔ محمد منور، پروفیسر، مقدمہ چراغ سحر، کلیات حفیظ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ئ ص: ۶۲۴
۲۔ قاسم جلال، حفیظ جالندھری کچھ یادیں کچھ باتیں، لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، ۱۹۹۴ئ، ص:۲۵
۳۔ سمیرا اعجاز، ڈاکٹر، منیر نیازی شخص اور شاعر، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۴ئ ص:۳۸۵
۴۔ عشرت رومانی، مقصدی شاعری، کراچی: نقش پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ئ ص:۳۹
۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج لاہور: مجلس ترقی ادب، مئی ۲۰۰۸ئ ص: ۱۴۷
۶۔ ایضاً ص: ۱۸۷
۷۔ میرا جی، تین رنگ، دیباچہ از مختار صدیقی، راولپنڈی: کتاب نما، ۱۹۶۸ئ ص: ۱۳
۸۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر سخن ور نئے اور پرانے، لاہور: اردو اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۵ئ ص: ۱۳۷
۹۔ ملک حسن اختر، تاریخ ادب اردو، لاہور: یونیوسٹی بک ایجنسی، انار کلی، ۱۹۷۹ئ ص: ۱۰۳۸
۱۰۔ ہری چند اختر، پنڈت، دیباچہ سوز و ساز، کلیات حفیظ جالندھری، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۵ئ ص: ۲۳۳

۱۱۔ محمد خاں اشرف، ڈاکٹر، اردو تنقید کا رومانوی دبستان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ئ ص:۱۵۹

۱۲۔ نگہت ناہید ظفر، انگریزی رومانوی شعرا کے اردو شاعری پر اثرات، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۵ئ ص:۵۹

۱۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ئ ص:۳۴۴

۱۴۔ ایضاً ص:۱۷۵

۱۵۔ محمد دین تاثیر، مقدمہ نغمہ زار، کلیات حفیظ جالندھری، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ئ ص:۵۰

☆......☆......☆